حکیم عبد الرحمن خلیق
خطیب جامع رحمانیہ
بدو ملہی (سیالکوٹ)

اف ۲۳ مارچ ؟

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
اک تیر ایسا سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

ایک تلخ یاد

آج پھر ۲۳ ر مارچ ہے مگر ٹھہرئے یہ وہ ۲۳ مارچ نہیں جو ۱۹۸۷ء کو آدھی رات کے قریب قلعہ لچھمن سنگھ لاہور کے میدان میں اپنے دامن میں کربناکیوں کا ہجوم سمیٹے وارد ہوتی تھی ۔

جو گولہ بن کر اٹھی اور طوفان بن کر چھا گئی یہ رات کوئی محشر کی رات تھی قیامت کی ایک ساعت تھی بم کا ایک سخت دھماکہ اچانک ہوا اور انسانی گوشت کے ٹکڑے ہوا میں اڑنے لگے اور پھر وہ میدان مقتل کا منظر پیش کرنے لگا یوں کہ

روش روش چمن چمن یہاں لہو وہاں لہو
میں کیا کہوں یہ کارواں کہاں کہاں گزر گیا

موت کے اس تیز و تند طوفان کے خونیں تھپیڑوں میں ایوان اہلحدیث کے کتنے ستون زمین بوس ہو گئے اور ان گرنے والے ستونوں میں ایک عظیم تر ستون بھی تھا جس پر خود ایوان کو بھی ناز تھا اور یہ ستون تھا علامہ احسان الٰہی ظہیر پھر کچھ لوگ تو دھماکہ کے ساتھ ہی شہادت کے شرف سے مشرف ہو کر جنت میں پہنچ گئے مگر علامہ احسان الٰہی ظہیر کا یہ اخروی سفر اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے کچھ روز تک موخر کر دیا ۔ کہ تم ذرا ٹھہرو تمہاری ہم سے ملاقات کیلئے الگ اہتمام کیا گیا ہے کہ

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

بات یوں تھی کہ شہید ملت علامہ مرحوم نے اپنے ایک سفر حجاز میں رسول اللہ علیہ وسلم کے پڑوس اور جنت کے ارضی رقبہ جنت البقیع کے اندر اصحاب رسول اور ان سے مستفاد بزرگوں کی قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ الٰہی ! مجھے بھی موت کے بعد اپنے محبوب کا پڑوس اور اصحاب رسول کی ہمسائیگی کا شرف نصیب فرمایئے ۔ دیکھنے والے راوی ہیں کہ دعا کچھ ایسے درد میں ڈوبی آہوں میں بسی اور آنسوؤں سے بھیگی تھی کہ آثار کہہ رہے تھے کہ یہ قبول ہو چکی ہے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ دعا پر خود اجابت بھی آمین آمین پکار رہی ہے بقول غالب

دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سوبار آمین

اور جب وہ موت کے دروازہ پر پہنچے تو دعا اور اجابت کے محمل میں لاہور سے مدینہ منورہ تک کے فاصلے حائل ہوئے چنانچہ ان فاصلوں کو راہ سے الگ کرنے کے اہتمام میں ان کا اخروی سفر چھ سات روز تک موخر کر دیا گیا ۔

اور پھر جب چند روز کے بعد وہ بقیع کے جوار میں پہنچ گئے تو باب جنت کھٹ سے کھل گیا ۔ سبحان اللہ

سر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

محمد بن اسماعیل بخاری

حضرت امام بخاری جس رات کو واصل بحق ہوئے ایک بزرگ نے اسی شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حدود حرم میں کھڑے کسی راہ تک رہے ہیں ۔

اگے بڑھ کر سلام کے بعد عرض گزار ہوئے آقا ! یوں کیوں کھڑے ہیں ؟

فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار ہے اور امید رکھنی چاہئے کہ احسان الٰہی ظہیر کے لئے بھی کسی ایسے ہی تپاک کا اہتمام کیا گیا ہو گا ۔ اب آسمانی جنت میں حضرت کے مراتب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے مگر ارضی جنت میں انکی پذیرائی کے بارے میں ہم بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالے نے اپنی حکمت باری سے راہ کی ساری رکاوٹیں دور کر کے ان کی خواہش کے مطابق انہیں جنت البقیع میں پہنچایا اور پھر استراحت کے لئے عظیم تابعی بزرگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے پہلو میں جگہ نصیب فرمائی ۔

بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جان قربان کرنا اللہ اور اس کے رسول پر کوئی احسان نہیں ہے مگر بات کا یہ رخ بہرحال نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ

حاصل عمر نثارے رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

قانون مشیت

یہاں سے جو کوئی بھی جاتا ہے واپس آنے کے لئے نہیں جاتا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو مدینہ منورہ کا پورا خطہ غم کے دریا میں ڈوب گیا اور بڑے بڑے اصحاب ہمت حوصلہ کھو بیٹھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نے فاروق اعظم جیسے مجاہد اور موحد شخص کی عقل تک ماؤف کردی ۔ کہہ رہے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز فوت نہیں ہوئے ۔ وہ اپنے اللہ کی ملاقات کو گئے ہیں پھر واپس آ جائیں گے ۔ یہاں تک کہ ایک مرحلہ پر انہوں نے تلوار نکال لی کہ خبردار جو کسی نے کہا کہ حضور فوت ہو گئے ہیں ۔ وہ فوت نہیں ہوئے ۔ وہ فوت نہیں ہو سکتے ۔ اگر کسی نے کہا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا ۔

ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں تھی مگر صورت حال کچھ ایسی ہی تھی ۔ صدیق اکبر اس وقت چند گھنٹوں کے لئے حضور سے اجازت لے کر باہر اپنی زمین پر گئے ہوئے تھے

۔ وہیں یہ خبر سنی تو بھاگم بھاگ واپس آئے ۔ اندر گئے ۔ حضور کے روئے مبارک سے کپڑا اٹھایا اور جھک کر پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا یا رسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ پر وہ موت وارد ہو چکی جو ہر جاندار کا مقدر ہے ۔ پھر مسجد میں آئے ۔ اصحاب کی بدحال کو دیکھ کر مزید بے حال ہوئے ۔ عمر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی تو آگے بڑھ کر ان کی پشت پر ہاتھ رکھا اور آیت قرآنی تلاوت کی کہ " وما محمد الا رسول ' قد خلت من قبلہ الرسل ' ا فان مات او قتل ا نقلبتم علی اعقابکم " (آل عمران آیت نمبر ۱۴۴)

آیت مبارکہ کو سنتے ہی سب کی زبانیں خاموش اور آنکھیں جاری ہو گئیں ۔ سب نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچ مچ ہی وفات پا گئے ہیں اور اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے ۔ کیونکہ جا کر کوئی بھی واپس نہیں آیا ۔

میں نے حضرت علامہ شہید کی وفات پر ایک آزاد نظم بعنوان " تلاش " لکھی تھے ۔ اس کے دو بند پھر تازہ کر لیجئے ۔

احسان کہاں ہو تم !
میں ڈھونڈتا ہوں تجھ کو
اخبار کی سطروں میں
حرفوں کے دوائر میں
الفاظ کی گرہوں میں
افواہوں کی گروش میں
خبروں کے تلاطم میں
پر تجھ کو نہیں پاتا
میں ڈھونڈتا ہوں تجھ کو
جلسوں میں سٹیجوں پر
تقریروں کے لہجے میں

اخباری محافل کی للکارتی بحثوں میں
جھنکار کی بحثوں میں
پھنکارتی بحثوں میں
میں ڈھونڈتا ہوں تجھ کو
پر تجھ کو نہیں پاتا
احسان ! کہاں ہو تم

مگر یہ تلاش اب ہمیشہ ناکام ہی رہے گی اب وہ نہیں آئیں گے ۔ آج پھر ۲۳ ر مارچ ہے ۔ یہ تاریخ جب سنہ ۱۹۸۷ میں آئی تھی تو اہلحدیث کے خرمن حیات پر برق تپاں بن کر تڑپی تھی ۔ پھر یہ تاریخ سنہ ۸۸ ء میں بھی آئی ' سنہ ۸۹ میں بھی آئی ' سنہ ۹۰ ء میں بھی آئی اور آج سنہ ۹۱ کا دور دورہ ہے یہ پھر آ موجود ہوئی ہے ۔ یہ آتی ہی رہے گی اور ہمیشہ آتی رہے گی مگر احسان الٰہی ظہیر کبھی نہیں آئیں گے ۔ کہ یہاں سے جا کر کبھی کوئی واپس نہیں آیا ۔

۴۷۵ شادمان سے ایک مکتوب

عزیزہ محترمہ بیگم صاحبہ علامہ شہید نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس فقیر کو تحریک فرمائی ہے کہ میں حضرت علامہ مرحوم کی زندگی کے کسی پہلو پر ماہنامہ " ترجمان السنہ " کی خصوصی اشاعت کے لئے کچھ لکھ کر بھیجوں ۔

عزیز بیٹی :

میں اپنے اس بچھڑے ہوئے ساتھی کی زندگی کے کس کس رخ پر کچھ لکھنے کا فریضہ ادا کروں جن کی زیست کا ہر لمحہ ہی ایک عنوان ہے ۔

جن کی حیات مستعار کی ہر سانس ان کی زندگی کے ایک روشن رخ کی امانت دار ہے ۔

جن کی فانی زندگی کو شہادت نے جاودانی کا شرف عطا کیا اور جو یہاں بھی ایسی زندگی [illegible] وہاں بھی ایسی زندگی جی رہے ہیں جو [illegible]

خوش قسمت کو ہی نصیب ہوتی ہے کہ

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

احسان الٰہی ظہیر وہ حقیقت ہے جسے کوئی بھول جانا بھی چاہے تو بھول نہیں سکے گا جس کی جب یاد آئے گی تڑپا جائے گی۔

احسان الٰہی ظہیر جیسے بچے مائیں روز روز نہیں جنتیں کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور گزشتہ دو صد برس کی تاریخ میں کون ایسا صاحب کمال گزرا ہے جس نے صرف دس بارہ برس کی ہی قلیل مدت میں دو صد برس کی تاریخ کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہو۔

یہاں بہت سے صاحب کمال بزرگ گزرے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ہی اپنی مثال آپ ہے جو تاریخ ساز بھی ہیں اور خود تاریخ کو بھی ان پر ناز ہے مگر احسان الٰہی کو دیکھ کر آدمی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ

بسیار خوباں دیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری

یاد ایام

احسان الٰہی ظہیر مجھے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح ہی عزیز اور محبوب رہے ہیں اور مجھے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ان سے عقیدت کا رشتہ بھی ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ مجھے بھی ان کی طرف سے ہمیشہ ایک باپ جیسا ہی غیر معمولی احترام حاصل رہا ہے۔ اگرچہ میرے حضرت کے والد بزرگوار جناب حاجی شیخ ظہور الٰہی صاحب سے بھی برادرانہ روابط رہے ہیں جو آج بھی بدستور اور اپنے تمام تر محبوب آداب برادر داری کے ساتھ قائم اور موجود ہیں۔ بڑی محبت اور تپاک سے ملتے ہیں اور ایک

دفعہ تو وہ شوق ملاقات میں یہاں میرے ہاں بدو ملہی بھی تشریف لائے تھے ۔ اور ایک شب قیام بھی فرمایا ۔

میں بھی ان کے ہاں گیا ہوں ۔ حضرت علامہ کی وفات پر میں جب تعزیت کے لئے ان کے ہاں گوجرانوالہ پہنچا تو غم میں دبے ہونے کے باوجود تپاک میں کمی نہیں کی ۔ میری بیگم بھی ہمراہ تھیں ۔ انہیں حضرت علامہ کی والدہ مکرمہ سے تعزیت کا فریضہ ادا کرنا تھا ۔

اس وقت وہ عزیزم مکرم ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کو سعودی عرب خط لکھنے میں مصروف تھے اور وفور شوق میں انہوں نے ہماری حاضری کی اطلاع انہیں بھی لکھ دی ۔ تاہم علامہ احسان الٰہی ظہیر سے میری محبت اور گہرے شغف کی بڑی بنیاد ان کی غیر معمولی شخصی صلاحیتیں تھیں ۔

احسان الٰہی ظہیر علم کے شہر تھے ۔ ان کا سینہ جرات و شجاعت کا خزینہ تھا ۔ ان پر حکومت نے بہت سے جھوٹے مقدمات قائم کئے مگر میں نے کسی موقعہ پر انہیں دل برداشتہ نہیں پایا ۔ ان پر قتل کا مقدمہ بھی قائم ہوا مگر ان کے حوصلہ میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی ۔ علم و عمل ' جرات و بسالت اور ہمت و حوصلہ میں انہیں میں نے ابن تیمیہ اور احمد بن حنبل کی سطح پر ہی پایا ہے ۔ وہ جماعت کی بڑی عظیم دولت تھے ۔ افسوس ہے کہ جماعت ان کی صلاحیتوں سے بہت ہی کم استفادہ کر سکی ہے ۔

بڑے بڑے اہل علم اور اصحاب ادعا ان کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے ۔ جب وہ سعودیہ سے تازہ وارد تھے تو پیش آمدہ مسائل میں بحث و مذاکرہ کے لئے متعلقہ اہل علم کا تعاقب کرتے اور انہی کی قیامگاہ پر پہنچ کر انہیں دعوت بحث و نظر دیتے تھے ۔

شاہی مسجد کے خطیب مولانا عبد القادر صاحب آزاد نے ایک فتوی جاری کیا ۔ یہ ان کے تعاقب میں شاہی مسجد پہنچے اور اپنا موقف بیان کیا ۔ انہوں نے دوسرے وقت بات کا وعدہ کیا ۔ یہ مقررہ وقت پر پھر پہنچے ۔ مزید وعدہ ملا یہ پھر پہنچے اور ان کی یہی ادا دونوں کی گہری دوستی کا ذریعہ بن گئی ۔

زمین کا کوئی مسئلہ تھا ۔ مولانا مودودی صاحب کے فتوی سے انہیں اختلاف ہوا اور ان کی فرودگاہ پر جا پہنچے ۔ بات ہوئی مولانا نے مزید غور کا وعدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلائی ۔ کسی نے آگے بڑھ کر یہ کام کرنا چاہا تو مولانا نے کہا نہیں یہ کام میں اپنے ہاتھوں کروں گا کہ یہ مہمان کے بجائے مہمان کے علم کی تواضع ہے ۔

ایک دفعہ مرزائی مبلغ اللہ دتہ جالندھری کے تعاقب میں ان کے گھر جا پہنچے اور مرزائیت کے مرکز میں جا کر انہیں چیلنج کیا ۔ علامہ نے بات چلائی مگر مرزائی مبلغ نہ چل سکا اور بلطائف الحیل گلو خلاصی کرائی ۔

الغرض احقاق حق اور اظہار حق کے لئے ان کا یہ جہاد اور جرات ان سے میری عقیدت کا بنیادی سبب تھا اور اسی رشتہ سے میں ان کے زیادہ قریب تھا ۔ تاہم بہت کم لوگوں بلکہ ان کے بہت کم احباب نے بھی مجھے ان کے ساتھ دیکھا ہو گا کیونکہ مجھے بوجوہ ان سے ملاقات کے مواقع بہت کم ملتے تھے ۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ جب کبھی ملاقات ہوتی تو وہ اگلی پچھلی ساری کسر نکال دیتے تھے ۔ اس طرح کہ ان کے اقرب احباب کو بھی اس پر تعجب ہوتا ۔

وہ جب کبھی مجھے ملتے تو خواہ وہ کسی حال میں ہوں کسی مجلس میں ہوں کسی مصروفیت میں ہوں مجھے دیکھ کر کبھی بیٹھے یا لیٹے نہیں رہے بلکہ اچھل کر اٹھتے اور میرے گلے سے لپٹ جاتے اور یہ معمول انہوں نے کبھی قضا نہیں کیا تھا ۔

ایک دفعہ جب وہ ایک تقریر کے سلسلہ میں یہاں بدو ملہی تشریف لائے تو انہیں آتے ہی پیٹ میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی ۔ پھر اجابت کے لئے گئے ۔ دوبارہ حاجب ہوئی ۔ پھر گئے اور پیٹ میں درد پیدا ہوا ۔ پھر وہ بڑھنے لگا اور جلد ہی شدید درد کی صورت اختیار کر گیا ۔ تکلیف مزید بڑھنے لگی اور وہ درد کی شدت سے بے حال ہوگئے ۔ کبھی اٹھتے کبھی بیٹھتے اور کبھی لیٹ جاتے کسی کل چین نہیں تھا پاس بیٹھے لوگ بھی ان کی بے چینی اور اضطراب کو دیکھ کر سخت بے چین تھے ۔ مجھے خبر ملی ۔ سخت پریشان ہوا ۔ تیزی سے ان کی قیامگاہ میں پہنچا وہ اس وقت لیٹے تھے اور کچھ کراہ رہے تھے مگر یہ

عجیب بات تھے کہ انہوں نے جونہی مجھے دیکھا انہیں درد بھول گیا اور وہ اپنے معمول کے مطابق ہی اچھل کر اٹھے اور میرے گلے سے لپٹ گئے ۔

لوگ جو پاس بیٹھے تھے اس صورت حال پر ششدر رہ گئے ۔ کہ اس درجہ شدید بے چینی اور تکلیف میں بھی وہ اپنے آداب ملاقات کو نہ بھول سکے تھے ۔

میں نے انہیں دوا کی ایک خوراک کھلائی اور اللہ تعالی نے اسی ایک خوراک میں ہی ان کے لئے کامل شفا پیدا کردی ۔ اور پھر اس کے تقریباً نصف گھنٹہ بعد ہی انہوں نے اپنی معمول کی گھن گھرج کے ساتھ بھرپور تقریر فرمائی ۔

جب وہ تحریک استقلال میں تھے

مجھے وحدت کالونی جانا تھا گھر سے کچھ افراد بھی ہمراہ تھے ۔ پتہ چلا کہ بیرون بھاٹی گیٹ سے وحدت کالونی کے لئے سواری ملتی ہے ۔ نماز عصر کا وقت سر پر تھا ۔ ہم بھاٹی گیٹ کے باہر ایک چبوترہ پر کھڑے سواری کے انتظار میں تھے کہ اتفاق سے حضرت علامہ بھی اپنے کسی کام سے ادھر آ نکلے ۔

ہمیں وہاں کھڑے دیکھا تو اپنی راہ ترک کر کے ادھر ہی آگئے ۔ اور مجھے ان کی آمد کا اس وقت ہی پتہ چلا جب انہوں نے پیچھے سے آ کر مجھے اپنے بازوؤں کے حلقہ میں لے لیا ۔ علیک سلیک کے بعد پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہیں ؟ عرض کیا کہ وحدت کالونی کے لئے کسی سواری کا انتظار ہے : کہنے لگے کہ یہاں تو آپ کو کل تک بھی کوئی سواری نہیں ملے گی آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے ۔

مگر ٹھہریئے مجھے یہاں دس پندرہ منٹ کے لئے ایک ضروری کام ہے ۔ میں ابھی آتا ہوں اور پھر کوئی سبیل بناتے ہیں اور پھر وہ چار پانچ منٹ کے بعد ہی واپس آ گئے ۔ اپنی گاڑی جو یہاں ہی انہوں نے کھڑی کر رکھی تھے وہ لے کر آئے اور فرمایا بیٹھئے میں خود ہی آپ کو کسی مناسب جگہ تک پہنچا آتا ہوں ۔

میں نے بات چلائی کہ آپ تو پندرہ منٹ کا وعدہ کر کے گئے تھے ۔ پھر چار ہی منٹ میں کیوں لوٹ آئے ؟ فرمانے لگے ۔ میں نے سوچا کہ پندرہ منٹ تک بھی آپ کو

انتظار کی زحمت کیوں دوں ۔ پہلے آپ کی فکر مندی دور کرلوں اپنا کام بعد میں کر لوں گا۔

ان دنوں وہ تحریک استقلال میں شامل تھے اور جماعت میں ان کی یہ کاروائی اکثر ہی زیر بحث تھی ۔ میں نے موقع پایا تو بات چھیڑ دی کہ آپ تحریک استقلال میں کیوں شامل ہوتے ہیں ۔ آخر آپ میں اور تحریک استقلال کے قائد میں کونسی قدر مشترک ہے ؟

کہنے لگے کہ آپ کو اعتراض کیا ہے ؟ عرض کیا یہی اعتراض ہے کہ آپ میں اور ان میں زندگی کے کسی پہلو سے بھی کوئی وجہ اشتراک موجود نہیں ہے ۔ پھر آپ نے کس بنیاد پر ان کا انتخاب کیا ہے ؟

اور اگر آپ نے کسی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہی تھا تو ہمیں بھی ساتھ لے لیتے !

کہنے لگے آپ کو اب کیا رکاوٹ ہے ۔ عرض کیا پہلی رکاوٹ تو یہی ہے کہ وہ صاحب اپنی الٹی فکر اور غیر منطقی سوچ کی وجہ سے میرے نزدیک یکسر مرفوع القلم ہیں ۔ آپ کا ان سے کوئی ساتھ نہیں بنتا ۔

فرمایا وہ مرفوع القلم کس طرح ہیں عرض کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے حکومت مصر پر حملہ کرنے کا اعلان کر رکھا ہے ۔ آخر یہ سوچ کسی صحیح الدماغ شخص کی کیونکر ہو سکتی ہے ۔ حکومت مصر پر حملہ کرنے کی کون اجازت دے گا ۔ اور حکومت مصر کے بجائے ان کو پہلا تصادم حکومت پاکستان سے پیش آئے گا ۔ مصر پاکستان کے دوست ممالک میں ہے اس پر حملہ کرنے کے لئے انہیں اپنی سرحد سے کون گزرنے دے گا ۔ حکومت مصر کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے ان کا پاکستان میں رضاکاروں کو بھرتی کرنا آخر اس میں عقل والی کونسی بات ہے ؟

اتنے میں ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں ویگنوں کے کلینر اونچے اونچے پکار رہے تھے :

وحدت کالونی ! وحدت کالونی !!

فرمانے لگے آپ وحدت کالونی سے واپس آئیں گے تو پھر اس موضوع پر بات ہوگی اور اپنے ایک واقف کار کو بلا کر تاکید کردی کہ انہیں وحدت کالونی کے لئے کوئی معقول سواری مہیا کردیں ۔ پھر واپسی کے لئے اجازت چاہی ۔

میں نے پوچھا اب کہاں جائیں گے ۔ فرمایا وہیں جاؤں گا جہاں سے ہم چلے تھے مجھے وہاں ایک نہایت ضروری کام ہے ۔ اللہ اکبر ۔

پیدا کہاں پھر ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

آخری ملاقات

حضرت علامہ کی زندگی میں میری ان سے آخری ملاقات ان کے طلب کردہ اجلاس ۱۸ر مارچ سنہ ۸۷ میں ہوئی ۔ ان کی مجلس میں ان سے میری یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی ۔ کیونکہ اس کے صرف پانچ روز بعد ہی انہوں نے سفر آخرت کی تیاری کر لی تھی۔

اللہ کی مرضی ہر کسی کی مرضی پر ہی غالب رہتی ہے ۔ اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ اس کے ہاں نہ کسی کی خواہش پذیرائی پاتی ہے نہ حاجت نہ اسے کوئی پوچھ سکتا ہے نہ اسے کسی سے مشاورت کی احتیاج ہے ۔ ورنہ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے یہ اجتماع جس مقصد سے بلایا تھا اگر اللہ تعالیٰ انہیں ان کے پلان میں رنگ بھرنے کا موقع عطا کرتا تو یہ ایک اتنا عظیم کارنامہ تھا جس کی نظیر جماعت کی تاریخ میں پہلے موجود نہیں تھی ۔

مگر اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا ۔ اس کی مرضی میں دخل اور اس کی رضا پر اعتراض دونوں باتیں ہی اللہ تعالیٰ پر ایمان کے خلاف ہیں۔

یہ چند روز بڑے بھرپور تھے اس اجتماع سے ایک روز قبل ۱۷ر مارچ کو حضرت مولانا محمد عطاء اللہ رحمہ اللہ کے ادارہ دار الدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور کے زیر

اہتمام مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے باب میں حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی کے مرتبہ اور ملک بھر کے علمائے اسلام کے مصدقہ اور متفقہ فتوی کی تقریب رونمائی تھی جس میں ملک بھر کے متعدد اہل علم نے شرکت کی تھی۔

مقررین میں حضرت شاہ بدیع الدین صاحب پیر آف جھنڈا کے علاوہ بہت سے دوسرے اہل علم شامل اور مقالات پڑھنے والوں میں راقم التحریر اور حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری مرحوم اور حضرت مولانا عبد الخالق قدوسی شہید راہ حق شامل تھے۔ اگلے روز حضرت علامہ کا طلب کردہ یہی اجتماع مقرر تھا اور ہم تینوں اس اجتماع کے مدعوئین میں بھی تھے۔ حضرت مولانا قدوسی حضرت علامہ کے نہایت قریبی اور مخلص احباب میں شامل تھے اور ان کے علمی مشاغل میں ان کے بہت گہرے رفیق اور مشیر تھے۔

دونوں کی باہمی رفاقت بھی مثالی ہے کہ زندگی بھر وہ اپنے سفر حیات میں بھی ایک دوسرے کے رفیق بن کر ہی رہے اور پھر ممات میں بھی انہوں نے یہ رفاقت قضا نہیں کی۔

حضرت قدوسی تو دھماکہ کے ساتھ ہی پہلی گاڑی جنت میں پہنچ گئے لیکن حضرت علامہ ظہیر ایک آسمانی مصلحت سے دوسرے گاڑی سوار کئے گئے۔ ۱۸ر مارچ کے اجتماع میں حضرت قدوسی مجھے سرگوشی کے انداز میں کہتے تھے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر ہماری جماعت کی بہت قیمتی دولت ہیں۔ انہیں اپنا بھرپور تعاون مہیا رکھئے گا۔

اور کون جانتا تھا کہ آج سے صرف پانچ ہی روز بعد نہ یہ محب ہو گا نہ اس کا محبوب۔ نہ یہ مداح ہو گا نہ اس کا ممدوح۔ آہ

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

آخری اجتماع

ان سے میری یہ آخری ملاقات ہی نہیں تھی خود ان کی زندگی کا بھی یہ آخری اجتماع ہی تھا ۔ اس کے بعد وہ کوئی دوسرا اجتماع نہیں بلا سکے ۔

میں جب ان کی مجلس میں پہنچا تو اس وقت تک تقریباً سارے ہی مدعوین حضرات پہنچ چکے تھے ۔ وہ اس وقت بہت مصروف تھے اور میری یہ خوش نصیبی ہی تھی کہ اپنی مجلس میں انتہائی انہماک کے باوجود مجھے اس وقت بھی ان سے حسب معمول ہی تپاک ملا بلکہ ان کی رعایت سے دوسرے تمام حاضرین نے بھی اس تپاک میں ان کا ساتھ دیا جبکہ ان میں سے ہر کوئی ہی مجھ سے بہتر تھا اور میں ان سب کو اپنے لئے یوں مودب پاکر نادم تھا ۔

نماز کا وقت ہوا تو حضرت علامہ نے مجھے زور دیا کہ امامت کے فرائض تم ہی ادا کرو ۔ میں نے عذر کیا مگر وہ بضد ہوئے ۔ پھر دوسرے حاضرین بھی زور دینے لگے اور پھر بالاخر یہ شرف بھی مجھے ہی ملا کہ میں اپنے سے بہت بہتر لوگوں کا امام بنوں ۔

کہنا چاہئے کہ ان کی ملاقات کی طرح ان سے مہیا ہونے والا یہ تپاک بھی آخری تپاک ہی تھا کیونکہ بم کے دھماکے کے اگلے روز ۲۴ ر مارچ کو جب میں حضرت قدوسی جناب محمد خاں نجیب اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے جنازہ سے فراغت پاکر حضرت علامہ کو دیکھنے کے لئے میو ہسپتال پہنچا تو حضرت بے ہوش تھے ۔ ان کو دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا اور میں نے یقین کرلیا کہ یہ یکطرفہ ملاقات بھی ان کی زندگی میں ان سے آخری ملاقات ہی ہے ۔

اگرچہ ان کے معالج نے مجھے یہ کہہ کر تسلی دی کہ انکی یہ بیہوشی تشویشناک نہیں ہے کیونکہ درد کی بے قابو شدت کی وجہ سے انہیں بیہوشی کا ٹیکہ دیا گیا ہے ۔ مگر معالج کی یہ تسلی حضرت کی ہیئت کذائی سے ہموار نہیں تھی اور میرے اس یقین کی تصدیق ۳۰ ر مارچ کو ہو گئی جب برق کے دوش پر سوار سعودیہ کے دار الحکومت ریاض سے یہ وحشت اثر خبر دل و دماغ کو ایک سخت زلزلہ کے سپرد کر گئی کہ احسان الٰہی ظہیر اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

قرآن پاک کا یہ فرمان کتنا سچ ہے کہ " کل من علیھا فان ، و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام "

گو سلیمان زماں بھی ہو گیا
پھر بھی اے سلطان آخر موت ہے

ایک مثالی انسان

۱۸ ر مارچ کے اجتماع کے حوالے سے یہاں مجھے اس اجتماع کی روئداد تحریر کرنا مقصود نہیں کیونکہ اس اجتماع کی روئداد میں نے الگ تحریر کی تھی جو مرحوم علامہ احسان الٰہی ظہیر کے ماہنامہ ترجمان الحدیث کی اس خصوصی اشاعت میں شائع ہو چکی ہے جو مارچ ر اپریل سنہ ۱۹۸۸ کی دو اشاعتوں پر مشتمل " شہدائے اہلحدیث نمبر " کے نام سے مرتب کی گئی تھی اور جو اس خصوصی اشاعت کے صفحہ ۶۰ سے صفحہ ۸۸ تک بعنوان " ایک اجتماع ایک پلان " ۲۹ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ۔

یہاں اس اجلاس کے حوالے سے حضرت علامہ مرحوم کی سیرت کے ایک ایسے روشن رخ کی نقاب کشائی پیش نظر ہے جو اس زمانہ کے بڑے لوگوں کے اندر تقریباً ناپید ہے ۔

اپنے مخالف کی خوبیوں کا اعتراف بڑے ہی دل گردے کا کام ہے مگر احسان الٰہی ظہیر کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت بڑی ہی فراوانی سے دے رکھی تھی ۔

وہ بڑے ہی کھلے دل اور فراخ پیشانی سے اپنے مخالفین کی خوبیوں کا اعتراف کرتے تھے اور اپنی بات کو کسی رخ سے بھی گول نہیں کرتے تھے ۔ ۱۸ ر مارچ کے اجلاس میں ایک مرحلہ پر جب وہ حاضرین کو اپنے پلان کے لئے لگن اور توجہ سے بے تھکاوٹ کام کرنے کی ضرورت پر زور دے رہے تھے تو فرمانے لگے ۔

میں نے اپنے کام میں لگن انہماک جہد مسلسل اور بے تھکاوٹ کام کرنے کی خوبی مرحوم حاجی محمد اسحاق حنیف اور میاں فضل حق صاحب سے سیکھی ہے ۔ جبکہ ان دنوں میاں صاحب اور علامہ صاحب میں بے اندازہ بعد اور سخت کشیدگی اور کشمکش موجود تھی

۔ میں ان کی اس ادا پر بے اختیار جھوم گیا ۔ اور منہ سے نکلا سبحان اللہ
وما یلقھا الا الذین صبروا و ما یلقھا الا ذو حظ عظیم (حم سجدہ آیت ۳۵)

آہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

یوتھ فورس کے لئے فکر مندی

جمعیت کی رضاکار تنظیم یوتھ فورس کو علامہ مرحوم نے ہی منظم کیا تھا اور وہ اس کی ترقی اور مضبوطی کے لئے بہت فکر مند رہتے تھے ۔ اور اس مقصد کے پیش نظر بہت سی تدابیر اور تجاویز ان کے زیر غور تھیں ۔ ۱۸ ر مارچ کے اجلاس سے فراغت پاکر سب لوگ واپس جانے لگے ۔ میں نے بھی حضرت سے اجازت لی ۔ عزیزم توفیق سلمہ میرے ساتھ تھے اور ابھی ہم ان کی قیامگاہ کے بیرونی دروازہ تک نہیں پہنچ سکے تھے کہ کسی نے اچانک پیچھے سے آکر میرا بازو تھام لیا ۔ مڑ کر دیکھا تو وہ خود علامہ صاحب ہی تھے ۔ میں نے دیکھا کہ وہ جلدی میں جوتا پہنے بغیر ہی دوڑ کر آئے تھے ۔ مجھے ندامت محسوس ہوئی اور میں نے کہا مجھے آواز دے لے ہوتی ۔ یوں بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت تھی ۔

فرمایا بس ٹھیک ہے آپ سے ایک بڑا ضروری کام تھا ۔ ہجوم کار میں وہ بھول ہی چلا تھا میں نے چاہا پیچھے جا کر کہہ دوں ۔

عرض کیا ارشاد ! کہنے لگے یوتھ فورس کو آگے بڑھانے اور ان میں ہمت و حوصلہ پیدا کرنے کے لئے کچھ ضرور لکھیں !

عرض کیا بسر و چشم میں واپس جا کر پہلی فرصت میں ہی یہ کام کروں گا ان شاء اللہ ۔

پھر میں نے حسب وعدہ یوتھ فورس پر دو نظمیں لکھیں مگر افسوس کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں کیونکہ اس کے بعد انہوں نے جلد ہی سفر آخرت اختیار کر لیا اور اس سلسلہ میں اپنی بھی کسی طے کردہ تجویز پر عمل پیرا نہ ہو سکے ۔

اللہ اکبر ! زندگی بھی کتنی ناپائیدار ہے کہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اور بقول مرزا غالب

عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے

علامہ صاحب کی قبر پر

ان کی میت پر نماز کی ادائیگی کا شرف تو وہی لوگ حاصل کر سکے جو ان دنوں حجاز میں موجود تھے یا دوڑ بھاگ کر دور نزدیک سے پہنچ گئے مگر مجھے ان کی قبر پر حاضری ضرور نصیب ہوئی ۔

ان کی وفات کے اگلے برس سنہ ۸۸ میں مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی اور مدینہ منورہ کے قیام میں ان کی قبر پر حاضری کا شرف بھی ملا

اللہ اکبر ! کتنا دلفریب اور ایمان افروز ماحول ہے ان کا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے تھوڑی دور بقیع کے بہشت تمثال ماحول میں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا پڑوس امام مالک رحمہ اللہ کا پہلو اور پاس ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھے منے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ننھی منھی سی قبر ۔ سبحان اللہ

شہر میں کو بہ کو عیر وگلال
باغ میں سو بہ سو گل ونسرین
شہر گو یا نمونہ گلزار
باغ گو یا نگار خانہ چین

میں نے ان کے بلندی درجات کی دعا کی اور کچھ ایسی ہی صورت بنی کہ میں پھر اس ماحول میں کھو گیا اور تھوڑی دیر کے لئے خود سے بیگانہ ہو گیا ۔ میں نے تصور کی نگاہ سے جھانکا تو انہیں بڑی ہی خوبصورتی سے محو استراحت پایا ۔ بڑی گہری نیند سو رہے

تھے ۔

میں نے کہا یہ ہسپتال میں بھی مجھ سے نہیں بولے تھے اور اب بھی خاموشی کی ہی ردا اوڑھ رہے ہیں ۔ پھر اب تو میں دور سمندر کے اس پار سے آ کر ان کے راحت کدہ کے باب پر کھڑا ہوں اب تو انہیں ضرور بولنا چاہئے ۔ ایسی بھی کیا ناراضگی ہو گی جسے وہ ترک نہ کردیں ۔

اور وہ کیوں نہیں بولیں گے وہ تو مرے لئے ہمیشہ ہی بڑے مستعد اور پرتپاک رہے ہیں ۔ پھر بولیں گے کیوں نہیں !

میں نے تصور ہی تصور میں اپنی لفظ تلاش کا ایک بند ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ان سے گفتگو کا ذریعہ بنانا چاہا ۔ میں نے ان کے سرہانے کھڑے ہو کر انہیں مخاطب کیا کہ

احسان ! مرے بیٹے !
آواز تو دو مجھ کو
نیند ایسی ہی سوئے ہو
بیدار نہیں ہوتے
آواز نہیں دیتے
کیوں تم نے آج اپنا معمول بدل ڈالا
حیرت ہے تعجب ہے سنتے ہی نہیں ہو تم
اٹھتے ہی نہیں ہو تم
بالیں سے لگا ہوں میں
سرہانے کھڑا ہوں میں
سنتے ہی نہیں ہو تم
نیند ایسی ہی سوئے ہو
بیدار نہیں ہوتے
آواز نہیں دیتے ۔ بولو تو مرے بیٹے

پتہ نہیں میں اپنے تصور کی گہرائی میں کہاں تک اتر گیا اور نہ جانے کہاں تک اترتا چلا جاتا کہ کسی نے جھٹکے سے میرے شانہ تصور پر ہاتھ رکھ دیا میں اس مداخلت سے اچانک چونک اٹھا آنے والے نے میرے کان میں کہا بے خبر! قرآن فرماتا ہے "انما یستجیب الذین یسمعون" کہ جواب صرف وہی دے سکتے ہیں جو سنتے ہیں اور جو سنتے ہی نہیں وہ جواب کیونکر دیں گے!

جو لوگ اس دار الفنا سے جا چکے ہیں قانون یہ ہے کہ یبعثہم اللہ کہ اب انہیں اللہ تعالی ہی اٹھائے گا وہ کسی دوسرے کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتے۔

اور تم جس بات کے پیچھے پڑے ہو یہ تو یہاں اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہیں تھی جب فرمایا و ما انت بمسمع من فی القبور کہ قبروں میں جا چکے لوگوں کو آپ بھی اے اللہ کے رسول اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

پھر بھلا تمہارے پکارنے کا یہاں کیا اثر ہو گا اب میں ہوش میں تھا اور میں نے کہا صدق اللہ، صدق اللہ اور میری آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ میں نے کہا شیر تمثال محبوب قائد! اس درجہ مختصر رفاقت؟ آہ

محبت ایں چنیں عاشق نوازی ایں چنیں باید!
زدی کشتی شکستی سوختی انداختی رفتی

مسلک اہلحدیث
بھائیو۔ ہم نہ کسی فرد کی طرف دعوت دیتے ہیں نہ کسی بستی کی طرف بلاتے ہیں اور نہ ہی اپنے بڑوں کی طرف بلاتے ہیں ہم صرف اور صرف خدا اور مصطفیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ جن سے افضل نہ کوئی ہے اور نہ ہو گا۔ ذات کبریا اپنی توحید میں اور حضرت مصطفیٰ اپنی رسالت میں نہ اپنا کوئی شریک و سہیم رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کے مانے بغیر ایمان باقی رہتا ہے۔ مسلک اہلحدیث صاف ستھرا مسلک ہے میں چیلنج کرتا ہوں کہ ہمارے مسلک سے ایک مسئلہ کوئی ایک مسئلہ، کتاب و سنت کے خلاف دکھاؤ ہم اس کو فوراً چھوڑنے کو تیار ہیں۔ (اقتباس تقریر علامہ احسان الٰہی ظہیر)

المرسل۔ جناب شیخ عبدالرشید صاحب معاون مجلہ ترجمان السنہ